(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلے کے بارے میں۔ کہ اگر کوئی حافظ صاحب رمضان میں تراویح کے اندر قرآن سنائے اور محلے والے اسے کچھ پیسے دے دیں تو حافظ صاحب کا ان پیسوں کے لینے کا شرعی حکم کیا ہے؟ اور یہ پیسے قرآن پر اجرت کے تحت داخل ہونگے یا نہیں۔

(۲) عام طور پر علماء سے سننے میں آیا ہے کہ اگر حافظ صاحب نے پہلے سے پیسے طے نہ بھی کئے ہوں تو بھی یہ فقہاء کے اصول (المعروف کالمشروط) کے تحت داخل ہو کے ناجائز ہوگا۔ لیکن بعض لوگ اس کے جواز کے لئے مختلف قسم کے حیلے اختیار کرتے ہیں مثلاً۔۔

نمبر 1۔ حافظ جس مسجد میں تراویح کے اندر قرآن سنا رہا ہے اسی میں ۲ یا ۳ نمازیں پڑھانے کی ذمہ داری اٹھالے، تو اس صورت میں یہ اجرت جائز ہوگی۔

نمبر ۲: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ فقہاء کا یہ اصول (المعروف کالمشروط) معاملات کے ساتھ خاص ہے لہذا عبادات میں یہ اصول جاری نہ ہوگا۔ اور تراویح میں قرآن سنانا ایک عبادت ہے لہذا وہاں اس اصول کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

برائے مہربانی مسئلے کی شرح وبسط کے ساتھ وضاحت فرما کر مذکورہ حیلوں کی وضاحت فرمائیں۔ اور جواب ذکر فرما کر فقہاء کے مذکورہ اصول کی بھی پوری وضاحت فرماویں کہ یہ اصول عام ہے عبادات ومعاملات کے لئے، یا صرف معاملات کے ساتھ خاص ہے؟

(۳) حافظ کو اجرت لینے کی صورت میں سامعین کو ثواب ملتا ہے کہ نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جنہوں نے پیسے دیئے ان کو نہیں ملتا، اور جنہوں نے پیسے نہیں دیئے ان کو ثواب ملتا ہے۔ اور وضاحت فرمائیں کہ ان کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے اور صحیح بات کیا ہے؟

(۴) اس بات کی بھی وضاحت فرماویں کہ اگر قرائن سے معلوم ہو کہ محلے والے حافظ صاحب کو پیسے دیں گے اور وہ بھی اس بات میں بخل لینے میں کراہت محسوس نہ کرے تو اس حافظ کے پیچھے تراویح پڑھنا بہتر ہے یا انفرادی طور پر۔ اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

(۵) بعض لوگوں سے یہ بھی سنا گیا ہے کہ سامع کی اجرت میں تو کسی کا اختلاف ہی نہیں کیونکہ وہ تعلیم دے رہا ہے اور تعلیم قرآن پر

Date: _____ تاریخ

اجرت لینا متاخرین کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے۔ برائے مہربانی وضاحت فرمائیں کہ یہ کہنا کہاں تک درست ہے اور ساحج کی اجرت کے بارے میں فقہاء کیا فرماتے ہیں؟

برائے مہربانی مسئلہ کی تمام جزئیات کی شرح و بسط کے ساتھ وضاحت فرما کر ممنون فرماویں۔

فاجرکم علی اللہ

المستفتی مفتی محمد موسیٰ

درجہ سالجہ الف

داخلہ نمبر ۲۶۹

0332-9746402

(جواب منسلکہ اوراق پر ملاحظہ فرمائیے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب حامداً ومصلیاً

(ا)۔۔۔رمضان المبارک میں قرآنِ کریم کے اختتام کے موقع پر جو رقم حافظ صاحب کو دی جاتی ہے اس کی تین صورتیں ہیں:

(الف) پہلے سے حافظ صاحب اور مقتدی حضرات کے درمیان باضابطہ اجرت طے کرلی جائے یا عرفاً متعین سمجھی جائے۔

(ب) نہ باہمی طور پر اجرت طے کی گئی ہو اور نہ عرفاً متعین سمجھی جاتی ہو لیکن حافظ صاحب اس غرض سے قرآن سناتے ہوں کہ مجھے کچھ ملے گا اور دینے والے بھی اس کو ضروری سمجھتے ہوں کہ نہ دینے کی صورت میں ناراضگی ہوگی۔

ان دونوں صورتوں میں حافظ صاحب کو کچھ دینا قرآن کریم کی تلاوت پر اجرت ہے جو ناجائز ہے اور اس سے بچنا واجب ہے، بلکہ اگر لوجہ اللہ قرآن سنانے والا حافظ نہ ملے تو اس قسم کے حفاظ کے پیچھے قرآنِ کریم تراویح میں ختم کرنے کی بجائے مختصر سورتوں کے ساتھ تراویح پڑھنا بہتر ہے۔

(ج) قرآن کریم پڑھنے والا محض لوجہ اللہ قرآن پڑھے اور سنائے، کچھ لینے کی نیت نہ ہو، نہ وہاں اس کا رواج ہو، لیکن مقتدی حضرات بطور ہدیہ غیر لازم سمجھ کر اپنی خوشی سے کوئی چیز دیدیں اس طرح کہ اگر نہ دیا جائے تو کسی کو کوئی شکایت نہ ہو تو پھر اس طرح لینا جائز ہے، تاہم اس کے لئے ختمِ قرآن کا موقع خاص نہیں کرنا چاہئے تاکہ کسی طرف سے انتظار کی صورت قائم نہ ہو، البتہ کسی اور موقع پر حافظ صاحب کی خدمت کردی جائے۔ (ماخذہٗ: امداد المفتین: وتبویب: ۸۲۱/۳۳)

حاشية ابن عابدين::(٥٥/٦)

مطلب فی الاستئجار علی الطاعات:

قوله :(ولالأجل الطاعات)الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستئجار عليها عندنا لقوله عليه الصلاة والسلام((اقرؤوا القرآن ولا تأكلوا به))وفی آخر ما عهد رسول الله إلى عمرو بن العاص وإن اتخذت مؤذنا فلا تأخذ على الأذان أجرا ولأن القربة متى حصلت وقعت على العامل ولهذا تتعين أهليته فلا يجوز له أخذ الأجرة من غيره كما فی الصوم والصلاة.هداية.

تحريرمهم فی عدم جواز الاستئجار على التلاوة والتهليل ونحوه ممالاضرورةإليه.

قوله:(ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن الخ)قال فی الهداية:وبعض مشايخنا رحمهم الله تعالى استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم لظهور التوانی فی الأمورالدينية ففی الامتناع تضييع حفظ القرآن وعليه الفتوى.

وقداقتصر على استثناء تعليم القرآن أيضافى متن الكنزومواهب الرحمن وكثير من الكتب وزاد فى مختصر الوقايةومتن الإصلاح تعليم الفقه وزاد فى متن المجمع الإمامة ومثله فى متن الملتقى و درر البحار وزاد بعضهم الأذان والإقامة والوعظ وذكر المصنف معظمها ولكن الذى فى أكثر الكتب۔

الاقتصارعلى مافى الهداية فهذا مجموع ماأفتى به المتأخرون من مشايخنا وهم البلخيون على خلاف فى بعضه مخالفين ما ذهب إليه الإمام وصاحباه وقد اتفقت كلمتهم جميعافى الشروح والفتاوى على التعليل بالضرورة وهى خشية ضياع القرآن كما فى الهدايةوقد نقلت لك ما فى مشاهير متون المذهب الموضوعة للفتوى فلا حاجة إلى نقل ما فى الشروح والفتاوى وقد اتفقت كلمتهم جميعا على التصريح بأصل المذهب من عدم الجواز ثم استثنوا بعده ما علمته فهذا دليل قاطع وبرهان ساطع على أن المفتى به ليس هو جواز الاستئجار على كل طاعة بل على ما ذكروه فقط مما فيه ضرورة ظاهرة تبيح الخروج عن أصل المذهب من طرو المنع فإن مفاهيم الكتب حجة ولو مفهوم لقب على ما صرح به الأصوليون بل هو منطوق فإن الاستثناء من أدوات العموم كما صرحوا به أيضا.

حاشية ابن عابدين:(٥٦/٦)

وقال العينى فى شرح الهداية:ويمنع القارىء للدنياوالآخذوالمعطى آثمان،فالحاصل أن ما شاع فى زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لا يجوز لأن فيه الأمر بالقراءة وإعطاء الثواب للآمر والقراءة لأجل المال فإذا لم يكن للقارىء ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستأجر ولولا الأجرة ما قرأ أحد لأحد فى هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسبا ووسيلة إلى جمع الدنيا،إنا لله وإنا إليه راجعون.

(۲)۔۔۔[الف] اگر حافظ صاحب رمضان میں تراویح کے ساتھ دو یا تین وقت کی نماز پڑھانے کی ذمہ داری لے لیں تو اس صورت میں امامت کی اجرت لینا تو درست ہے لیکن اگر مقصود امامت نہ ہو بلکہ تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت کو متعین اور طے کرکے جائز بنانا پیشِ نظر ہو تو پھر یہ محض ایک حیلہ ہے جس کی دیانۃً اجازت نہیں۔(ماخذہٗ:امدادالفتاویٰ:۳۲۲/۱)

(۲)۔۔۔[ب] فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیان کردہ اصول "المعروف كالمشروط" کے تحت معاملات کی مثالیں اگرچہ ذکر فرمائی ہیں لیکن ہمارے علم کی حد تک معاملات کے ساتھ اس کے خاص ہونے کی تصریح کسی نے بھی نہیں فرمائی،اس لئے یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مذکورہ اصول "المعروف كالمشروط" معاملات کے ساتھ خاص ہے،البتہ زیرِ بحث مسئلہ میں دو چیزیں الگ الگ ہیں:

ا:۔تراویح میں قرآن سنانا

۲:۔تراویح میں اجرت لے کر قرآن سنانا

پہلی صورت محض عبادت ہے،البتہ دوسری صورت کی حیثیت ایک معاملہ (اجارہ) کی ہے جو مذکورہ اصول "المعروف کالمشروط" کی بناء پر ناجائز ہے خواہ صراحتاً اجرت طے نہ کی گئی ہو، بلکہ عرفاً متعین سمجھی جاتی ہو۔

درر الحكام شرح مجلة الأحكام:(٥٦٠/١)

استئجار الآدمي للطاعة: استئجار الآدمي للطاعة والعبادة باطل؛ لأن القربة متى حصلت تحصل للعامل، وليس للآمر، ولهذا لا يجوز في العبادات أخذ الأجرة من الغير. رد المحتار. مثلا لو استأجر أحد آخر ليصلي ويصوم له، فلا يصح, وبالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت، ولا للقاري ومنع القارء للدنيا والآخذ والمعطي آثمان (الأنقروي، رد المحتار).

درر الحكام شرح مجلة الأحكام:(٤٦/١)

المعروف عرفا كالمشروط شرطا وفي الكتب الفقهية عبارات أخرى بهذا المعنى الثابت بالعرف كالثابت بدليل شرعي و المعروف عرفا كالمشروط شرعا و الثابت بالعرف كالثابت بالنص و المعروف بالعرف كالمشروط باللفظ وقد سبق لنا أن عرفنا العرف والعادة. فإليك الأمثلة على هذه القاعدة: لو اشتغل شخص لآخر شيئا ولم يتقاولا على الأجرة ينظر للعامل إن كان يشتغل بالأجرة عادة يجبر صاحب العمل على دفع أجرة المثل له عملا بالعرف والعادة وإلا فلا. كذلك إذا اشترى شخص من آخر شيئا بعشر ليرات ولم يعين نوع الليرة يرجع إلى النوع المتعارف في تلك البلدة كان يكون المتعارف الليرة العثمانية مثلا فتعتبر هي التي وقع عليها العقد كما لو ذكرت. كذا لو اشترى شخص بقرة فتبين له بعد شرائها أنها غير حلوب وأراد ردها ينظر إن كان هذا الشخص معروفا أنه ممن يشترى للذبح كأن يكون قصابا لا يجوز له الرد وإن كان ممن يشترى لأجل الانتفاع بحليبها ترد كذلك لو سكن شخص دارا لآخر معدة للأجرة بدون إذنه وبدون تأويل ملك أو تأويل عقد يلزمه دفع أجرة المثل عرفا ويكون كأن الساكن شرطها على نفسه حين سكناه للدار وكذا الذي ينام في الفندق والمغتسل في الحمام يجب عليه دفع الأجرة لأن العرف والعادة توجب دفعها وإن لم تذكر. وكذلك لو دفع الأب لابنته العروس حليا أو بعض جهاز لبيتها وادعى بعد العرس أنه عارية فإن كان المتعارف في مثل هذه الأحوال أن ما يعطيه الأب يكون عارية يحكم برده إليه وإلا فلا ويكون هبة وكذا لو كان ترك راعي القرية المواشي على رأس زقاق القرية معتادا ثم هي تتفرق إلى دور أهلها فلا يضمن وإن كان المعتاد أن يوصل كل ثلة إلى محل صاحبها يضمن ويعد مقصرا لتركه إياها على رأس الزقاق (المادة:٤٤) المعروف بين التجار كالمشروط بينهما إن هذه المادة هي عين المادة السابقة.

قواعد الفقه للبركتی:(۲۵/۱)

۳۳۵:قاعدة: المعروف بين التجار كالمشروط بينهم(مج)

شرح القواعد الفقهية للزرقا:(۱۳۵/۱)

(القاعدة الثالثة والأربعون،المادة:٤٤)(المعروف بين التجار كالمشروط بينهم)

(الشرح)هذه القاعدة في معنى سابقتها لا تفترق عنها إلا أن تلك في مطلق عرف وهذه خاصة في عرف التجار فإذا وقع التعارف والاستعمال بينهم على شيء غير مصادم للنص يتبع وينصرف إليه عند الإطلاق ولا تسمع دعوى إرادة خلافه كما لو باع التاجر شيئاً وقد جرى العرف على أن يكون بعض معلوم القدر من الثمن حالاً أو على أن دفع كل الثمن يكون منجماً على نجوم معلومة يكون ذلك العرف مرعياً بمنزلة الشرط الصريح.

شرح القواعد الفقهية للزرقا:(۱۳۳/۱)

(القاعدة الثانية والأربعون،المادة:٤٣(المعروف عرفاً كالمشروط شرطاً.

(أولاً.الشرح)المعروف عرفاً كالمشروط شرطاً ففي كل محل يعتبر ويراعى فيه شرعاًصريح الشرط المتعارف وذلك بأن لا يكون مصادماً للنص بخصوصه إذا تعارف الناس واعتادوا التعامل عليه بدون اشتراط صريح فهو مرعي ويعتبر بمنزلة الاشتراط الصريح .

علم أصول الفقه لعبدالوهاب خلاف:(۹۰/۱)

وقد ألّف العلامة المرحوم ابن عابدين رسالة سماها"نشر العرف فيما بنى من الأحكام على العرف" ومن العبارات المشهورة"المعروف عرفا كالمشروط شرطا،والثابت بالعرف كالثابت بالنص "وأما العرف الفاسد فلا تجب مراعاته لأن في مراعاته معارضة دليل شرعي أو إبطال حكم شرعي، فإذا تعارف الناس عقدا من العقود الفاسدة كعقد ربوى، أو عقد فيه غرر وخطر، فلا يكون لهذا العرف أثر في إباحة هذا العقد، ولهذا لا يعتبر في القوانين الوضعية عرف يخالف الدستور أو النظام العام، وإنما ينظر في مثل هذا العقد من جهة أخرى، وهي أن هذا العقد هل يعد من ضرورات الناس أو حاجاتهم، بحيث إذا أبطل يختل نظام حياتهم أو ينالهم حرج أو ضيق أولا؟ فإن كان من ضرورياتهم أو حاجاتهم يباح لأن الضرورات تبيح المحظورات، والحاجات تنزل منزلتها في هذا، وإن لم يكن من ضرورياتهم ولا من حاجياتهم يحكم ببطلانه ولا عبرة لجريان العرف به.

(۳)۔۔۔تراویح میں قرآن سنانے والے کو جن سامعین نے اجرت دی ہو ان کو ناجائز معاملہ کرنے کا گناہ ہوگا،اور ثواب ملنے،نہ ملنے کا فیصلہ دنیا میں ہونا مشکل ہے کیونکہ اس کا تعلق آخرت سے ہے۔

درر الحكام شرح مجلة الأحكام:(٥٦٠/١)

استئجار الآدمي للطاعة:استئجارالآدمى للطاعةوالعبادةباطل؛لأن القربةمتى حصلت للعامل،وليس للآمر،ولهذالا يجوز فى العبادات أخذ الأجرة من الغير(رد المحتار)مثلا لو استأجر أحد آخر ليصلى ويصوم له،فلا يصح،وبالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت،ولا للقارىء،ومنع القارىء للدنيا والآخذ والمعطى آثمان(الأنقروى،رد المحتار)ومع أن التعليم والإمامة والأذان والوعظ هى من العبادات فقد جاز استئجارها بطريق الاستثناء،ولذلك فقد خصصت المجلة حكمها بها .وقد جوز المتأخرون من الفقهاء الاستئجار فيها بخلاف المتقدمين فقد قالوا بعدم جوازه؛لأن المتعلمين كانوا يكافئون المعلمين فى الزمن القديم من دون شرط،ولا قيد عملا بالآيةالكريمة(هل جزاء الإحسان إلا الإحسان)وأما اليوم فذهب ذلك واشتغل الحفاظ بمعاشهم وقل من يعلم حسبة،ولا يتفرغون له أيضا فإن حاجتهم تمنعهم من ذلك،فلولم يفتح لهم باب التعليم بالأجر لذهب القرآن فأفتوا بجواز ذلك ورأوه حسنا وقالوا:الأحكام قد تختلف باختلاف الأزمان(الزيلعى)اتفقت النقول عن أئمتنا الثلاثة أبى حنيفة وأبى يوسف ومحمد أن الاستئجار على الطاعات باطل لكن جاء من بعدهم من المجتهدين من أهل التخريج والترجيح فأفتوا بصحته على تعليم القرآن للضرورة فإنه كان للمعلمين عطايا من بيت المال وانقطعت ،فلو لم يصح الاستئجار وأخذ الأجرة لضاع القرآن وفيه ضياع الدين لاحتياج المعلمين إلى الاكتساب وأفتى من بعدهم أيضا من أمثالهم بصحته على الأذان والإمامة ؛لأنها من شعائر الدين فجوزوا الاستئجار عليهما للضرورة أيضا فهذا ما أفتى به المتأخرون عن أبى حنيفة وأصحابه لعلمهم بأن أبا حنيفة وأصحابه لو كانوا فى عصرهم لقالوا بذلك .ورجعوا عن قولهم الأول ,وقد أجمعت أئمة المتون والشروح والفتاوى على نقلهم بطلان الاستئجار على الطاعات إلا فيما ذكر وعللوا ذلك للضرورة .ومن أراد التوسع فى هذا الباب فليتفضل بمراجعة آخر كتاب الإجارة من الفتاوى المسماة(تنقيح الحامدية وردالمحتار).

تنقيح الفتاوى الحامدية:(٤١٨/٥)

(أقول)اعلم أن عامة كتب المذهب من متون وشروح وفتاوى كلها متفقة على أن الاستئجار على الطاعات لا يصح عندنا واستثنى المتأخرون من مشايخ بلخى تعليم القرآن فجوزوا الاستئجار عليه وعللوا ذلك فى شروح الهداية وغيرها بما مر وبالضرورة وهى خوف ضياع القرآن؛لأنه حيث انقطعت العطايا من بيت المال وعدم الحرص على الدفع بطريق الحسبة يشتغل المعلمون بمعاشهم ولا يعلمون أحدا ويضيع القرآن فأفتى المتأخرون بالجواز لذلك

واستثنى بعضهم أيضا الاستئجار على الأذان والإمامة للعلة المذكورة ؛ لأنهما من شعائر الدين ففى تفويتهما هدم الدين فهذه الثلاثة مستثناة للضرورة فإن الضرورات تبيح المحظورات واتفقوا كلهم على عدم جواز الاستئجار على الحج لعدم الضرورة ؛ لأن المحجوج عنه يدفع المال إلى المأمور على سبيل النفقة ولذا أجمعوا على أنه لو فضل مع المأمور درهم واحد يجب عليه رده إلى الآمر فحيث اندفعت الضرورة بالدفع على سبيل الإنفاق لم تجز الإجارةبل صرح فى الدر المختار :بأنه لو استأجره على أن يحج عنه لم يصح الحج عنه وقال فى الهداية الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستئجار عليها عندنا لقوله عليه الصلاة والسلام(اقرءوا القرآن ولا تأكلوا به)إلخ فالاستئجار على الطاعات مطلقا لا يصح عند أئمتنا الثلاثة أبى حنيفة وأبى يوسف ومحمد قال فى معراج الدراية وبه قال أحمد وعطاء والضحاك والزهرى والحسن وابن سيرين وطاوس والشعبى والنخعى ثم أطال فى الاستدلال فراجعه ولا شك أن التلاوة المجردة عن التعليم من أعظم الطاعات التى يطلب بها الثواب فلا يصح الاستئجار عليها ؛ لأن الاستئجار بيع المنافع وليس للتالى منفعة سوى الثواب ولا يصح بيع الثواب ولأن الأجرة لا تستحق إلا بعد حصول المنفعة للمستأجر والثواب غير معلوم فمن استأجر رجلا ليختم له ختمة ويهدى ثوابها إلى روحه أو روح أحد من أمواته لم يعلم حصول الثواب له حتى يلزمه دفع الأجرة ولو علم حصوله للتالى لم يصح بيعه بالأجرة فكيف وهو غير معلوم بل الظاهر العلم بعدم حصوله ؛ لأن شرط الثواب الإخلاص لله تعالى فى العمل والقارء بالأجرة إنما يقرأ لأجل الدنيا لا لوجه الله تعالى بدليل أنه لو علم أن المستأجر لا يدفع له شيئا لا يقرأ له حرفا واحدا خصوصا من جعل ذلك حرفته ولذا قال تاج الشريعة فى شرح الهداية إن قارء القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارىء.

وقال العينى فى شرح الهداية:معزيا للواقعات ويمنع القارىء للدنيا والآخذ والمعطى آثمان وقال فى الاختيار ومجمع الفتاوى وأخذ شيء للقرآن لا يجوز؛لأنه كالأجرة.

رد المحتار:

فمن جملة كلامه قال تاج الشريعة فى شرح الهداية:إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارىء.

وقال العينى فى شرح الهداية:ويمنع القارء للدنيا ، والآخذ والمعطى آثمان.

امداد الفتاویٰ:۱/۳۹۰

(سوال:۴۲۴)جس جگہ حافظ قرآن اجرت پر بلا کر اس سے کلام اللہ تراویح میں سنتے ہیں، معین تو نہیں کرتے مگر عرف ورواج عام اس بات پر ہو رہا ہے کہ لوگوں سے چندہ کر کے ختم کے روز حافظ کو دیتے ہیں تو اس

صورت میں تراویح سننے کا ثواب ہوگا یا نہیں، اگر ثواب نہ ہو تو کیا کرے آیا گھر پر تنہا پڑھ لیا کرے مگر اس صورت میں جماعت سے محروم ہوگا بلکہ فرضوں کی جماعت کا ترک بھی غالباً ہوگا؟

الجواب: سننا جدا عمل ہے اس میں کوئی امر مانع ثواب نہیں، اس کا ثواب (۱) ہوگا۔

حاشیہ.....

(۱) اس میں شرط یہ ہے کہ سننے والا امام کو معاوضہ دینے والوں میں داخل نہ ہو۔ واللہ اعلم۔ محمد شفیع ۱۲

(۴)۔۔۔اگر حافظ صاحب کی نیت لوجہ اللہ قرآن سنانے کی ہو اور دینے والے بھی محض اللہ کی رضا کے لئے اس کو غریب سمجھ کر دیتے ہوں، قرآن کریم کا معاوضہ نہ سمجھتے ہوں تو ایسے شخص کے پیچھے نماز تراویح پڑھنا درست ہے، تاہم جو حافظِ قرآن اجرت لے کر قرآن کریم سنائے تو اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا ایسا حافظ تلاش کرنا چاہئے جو اللہ کی رضا کے لئے بلا معاوضہ قرآن سنائے اور اگر ایسا حافظ میسر نہ ہو تو پھر چھوٹی سورتوں سے تراویح کی نماز پڑھنی چاہئے۔

(ماخذہٗ: تبویب: ۸۲۱/۷۹)

حاشية رد المحتار: (۳٤۰/٦)

فالحاصل: أن ماشاع فی زماننا من قراءة الاجزاء بالاجرة لايجوز، لان فيه الامر بالقراءة و إعطاء الثواب للآمر والقراءة لاجل المال، فإذالم يكن للقارء ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستأجر، ولولا الاجرة ما قرأ أحد لاحد فی هذا الزمان، بل جعلوا القرآن العظيم مكسبا و وسيلة إلى جمع الدنيا. إنا لله و إنا إليه راجعون.

(۵)۔۔۔سامع کے لئے اجرت لینا ناجائز ہے۔ (التہذیب: ۷۹/۳)

سلسلۃ التہذیب کا وعظ نمبر: ۳: ص: ۷۹ [۱۴ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ]

''اے حفاظ! تم تو اللہ کے واسطے پڑھو اور اپنے ثواب کو برباد نہ کرو، ایک مسئلہ اور ہے، اس میں مجھ سے غلطی ہو چکی ہے وہ یہ کہ میں سمجھتا تھا کہ سامع کو روپیہ لینا جائز ہے، میں اس کو تعلیم پر قیاس کیا کرتا تھا لیکن پھر میں سمجھ گیا کہ سماعت کو تعلیم میں داخل کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ تعلیم سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور سامع کو بتلانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور نیز بھولے ہوئے کو بتلانا، یہ نماز کی اصلاح ہے اور نماز کی اصلاح عبادت ہے، اس لئے قاری کو جائز ہے اور نہ سامع کو، قواعدِ کلیہ سے یہ دونوں فتوے دیئے ہیں، اگر کسی کو اس کے خلاف جزئیہ معلوم ہو تو میں اس سے بھی رجوع کر لوں گا، علاوہ عدمِ جواز کے میں نے دیکھا ہے پڑھنے پر لینے سے حرص پیدا ہو جاتی ہے، اگر جائز بھی ہوتا، اس مرض سے بچنے کے لئے بھی اس سے پرہیز بہتر تھا اور تعلیم قرآن پر جو فقہائے نے فتویٰ دیدیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس پر لینا ناجائز ہو تو تعلیمِ قرآن گم ہو جائے اور اس کا باقی رکھنا ضروری ہے اور تراویح میں اگر قرآن نہ سناویں تو کسی ضروری امر میں خلل نہیں پڑتا، بعض لوگ تاویل کرتے ہیں کہ اگر روپیہ نہ دیں گے تو تراویح کا ترک لازم آوے گا، یہ قیاس صحیح نہیں۔''

امداد الفتاویٰ:۳/۳۶۶

''سوال (۳۳۴) سماعتِ قرآن کی اجرت اور قرأت قرآن کی اجرت میں کیا فرق ہے کہ ثانی حرام ہے اور اول حلال؟

(جواب) سماعتِ قرآن سے غرض یہ ہے جہاں بھولے گا بتلادے گا، پس یہ تعلیم ہے اور تعلم پر اجرت لینے کے جواز پر فتویٰ ہے بخلاف قرأت کے کہ اس میں تعلیم مقصود نہیں اس لئے کلیہ (حرمت اجر علی الطاعت) میں داخل رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۱۳۲۲ھ یکم رمضان۔''

آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام:۱۶۲

''تلاوتِ قرآن ریڈیو ہو یا اس سے علیحدہ کسی صورت میں بہرحال محض تلاوت پر معاوضہ لینا حرام ہے، اور معاوضہ لے کر پڑھنا بھی ناجائز اور اس کا سننا بھی درست نہیں، علامہ ابن عابدین شامیؒ نے اس مسئلہ کو اپنے رسالہ شفاء العلیل میں پوری تفصیل کے ساتھ مع دلائل لکھ دیا ہے۔'' واللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اعلم.

الطاف احمد

الطاف احمد

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

۱۴۳۱/۶/۱۴ھ

الجواب صحیح
احقر محمود اشرف غفر اللہ
۱۴۳۱/۶/۱۵ھ

الجواب صحیح
محمد یعقوب عفا عنہ
۱۴۳۱/۶/۱۵ھ

الجواب صحیح
عبد المنان عفی عنہ
۱۴۳۱/۶/۱۶ھ

الجواب صحیح
شاہ محمد تفضل علی عفی عنہ
۱۴۳۱/۶/۱۵ھ

الجواب صحیح
۱۴۳۱/۶/۱۶ھ

دارالافتاء
فتویٰ نمبر ۳۵/۱۳۴۲
مورخہ ۱۴۳۱/۶/۱۶ھ